قرآن شناسی

تفسیر سورہ البقرہ

عماد العلماء علامہ سید علی محمد نقوی صاحب مدظلہ الشریف

تعارف:

البقرہ قرآن کریم کا طویل ترین سورہ ہے جس کا نام اس سورہ کی بعض آیات سے، جس میں ایک گائے کے ذبح کرنے کا واقعہ مذکور ہے، لیا گیا ہے۔ چونکہ اس سورہ میں متعدد مقامات پر اہل یہود کا تذکرہ موجود ہے اور گائے کی پرستش یہودیوں کا ایک مخصوص مشرکانہ عمل تھا اس لئے اس واقعہ کو جائز طور پر زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اسی کے مطابق اس سورہ کو یہ نام دیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات ضرور ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ مختلف سوروں کے نام صرف ان کی شناخت کے لئے رکھے گئے ہیں اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر سورے کا اصل موضوع اسی نام کے مطابق ہو۔ سوروں کے یہ نام رسول اکرمؐ نے خود وحی الٰہی کے مطابق معین کئے ہیں۔

یہ سورہ پیغمبرؐ کی مدنی زندگی کے اولین دور میں نازل ہوا۔ اس کا بڑا حصہ ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال میں نازل ہوا جب کہ اس کی بعض آیتیں بعد میں اور کچھ وفات پیغمبرؐ کے قریب نازل ہوئیں۔

سورہ بقرہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جلیل القدر شیعہ مفسر علامہ تبرسی اپنی مشہور تفسیر ''مجمع البیان'' میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ پیغمبر اکرمؐ سے سوال کیا گیا کہ قرآن کریم کا کون سا سورہ سب سے بہتر ہے تو آپ نے فرمایا: البقرہ۔ پھر سوال کیا گیا کہ (اس کی) کون سی آیت بہتر ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا آیۃ الکرسی۔ اس سورۂ مبارکہ کی فضیلت دوسرے سوروں پر ظاہری طور سے اولاً اس کی ہمہ گیری اور ثانیاً آیت الکرسی (آیت ۲۵۵) کی وجہ سے ثابت ہے۔ اس میں اللہ کی توحید اور اس کی معرفت کے مخصوص مضامین پنہاں ہیں جنہیں ہم انشاء اللہ آگے زیر بحث لائیں گے۔ اس سورہ کی اہمیت کے سلسلے میں امام زین العابدین علی ابن الحسین ؑ سے مروی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: جو شخص سورۂ بقرہ کی پہلی چار آیتیں، آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتوں کے ساتھ اس سورہ کی آخری تین آیتوں کی تلاوت کرتا ہے تو گویا کہ وہ ہدایت یافتہ اور امان میں ہے۔

تاریخی پس منظر:

پیغمبرؐ کے مدینے پہنچنے کے بعد اسلامی تحریک اپنے نئے دور میں داخل ہوئی جہاں کے معاملات و مسائل مکی دور سے بہت مختلف تھے۔ مکی دور میں آنحضرتؐ کا بیشتر وقت مسلمانوں کو اسلام کے بنیادی عقائد اور اخلاقیات کی تعلیم وتبلیغ میں صرف ہوتا تھا جب کہ ہجرت کے بعد چونکہ مدینے میں ایک چھوٹی سی اسلامی حکومت قائم ہوگئی تھی اس لئے

خداوندِ عالم کی جانب سے اب سماجی، اقتصادی اور سیاسی امور سے متعلق بنیادی ہدایات کا نزول شروع ہوا۔

ہجرت سے قبل پیغامِ اسلام کے مخاطبین اکثر اوقات میں کفارِ مکہ ہوتے تھے۔ ہجرت کرنے کے بعد آپ نے پایا کہ مدینہ اور اس کے اطراف میں یہودیوں کی بہت سی بستیاں آباد ہیں۔ ان اہلِ ہنود کا مذہب رسم ورواج کی خرافات اور وحیِ الٰہی میں تصرف اور تحریف سے عبارت تھا۔ ان لوگوں نے اور خصوصاً ان کے رہنماؤں نے مذہب کو مادی فوائد کے حصول اور خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کا ایک ذریعہ قرار دے رکھا تھا۔ اسلامی تحریک کے اس دور میں منافقین کا ایک گروہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے فتنہ پردازی کی غرض سے کلمہ پڑھ کر اپنا نام مسلمانوں میں درج کروالیا تھا جب کہ ان کے قلوب کفر والحاد کی غلاظتوں سے ملوس تھے۔ ان لوگوں نے خفیہ طور پر کفار سے روابط بڑھا رکھے تھے اور ان کی سازباز سے شجرِ اسلام کو کھوکھلا بنانے کا منصوبہ بنایا جا رہا تھا۔ منافقین کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جس نے صرف اس لئے دائرۂ اسلام میں آنا قبول کیا تھا کہ ان کے خاندان کے اکثر افراد مسلمان ہو گئے تھے، یہ لوگ دراصل اس نئے مذہب کو اپنانے میں متزلزل تھے اور کسی قطعی فیصلے پر ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔

سورۂ بقرہ کا موضوع:

اس سورہ کا اصل موضوع اسی سورہ کی ۱۳۰ویں آیت میں واضح کیا گیا ہے یعنی ''اللہ کی نشانیوں پر غور وفکر'' انتظامِ نبوت، گزشتہ تہذیبوں کے افسانے، ناقابلِ تبدیل مشنِ الٰہیہ وغیرہ اس کی نشانیاں ہیں جن کا ذکر اللہ نے اس سورہ کی متعدد آیات میں کبھی اختصار اور کبھی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ سورہ اہلِ یہود اور ان کی اسلام دشمنی کے بیان پر مشتمل ہے۔

اس سورہ کی ابتدائی آیات میں اسلام کے بنیادی اصول اور عقائد کا بیان ہے۔ یہ بنیادی عقائد پانچ ہیں۔ ایمان بالغیب یعنی اللہ، حضرت محمد مصطفیٰ اور انبیائے ماسبق پر نازل ہونے والی کتابوں پر ایمان، اور ایمان بالآخرۃ۔ عقائد کے بعد اعمال کی منزل میں عبادتوں کا ذکر ہے جو اپنے وسیع مفاہیم میں درحقیقت تمام اوصافِ حسنہ اور بالخصوص عشقِ الٰہی اور انسان دوستی کا سرچشمہ ہے۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ فاتحہ کے درمیان یہ ایک واضح رابطہ ہے۔ جس طرح سورۂ فاتحہ کی آخری آیتوں میں بندہ اپنے رب سے صراطِ مستقیم کی جانب ہدایت کا سوال کرتا ہے اس کے جواب میں وہ سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات اس کی دعا کو قبولیت کا شرف بخشتے ہوئے اعلان کر رہی ہیں ''یہ کتاب، جس میں کسی شک وشبہہ کی کوئی گنجائش نہیں، متقین کے لئے ہدایت ہے۔'' (آیت:۲)

الف، لام، میم: الٓمٓ (۲:۱)

حروفِ مقطعات کا بیان:

سورۂ بقرہ کی ابتداء تین عربی حروف یعنی ا، ل، م سے ہوتی ہے، ان حروف کو حروفِ مقطعات کہا جاتا ہے۔ ان

حروف کو ہم نے بغیر ترجمہ کے اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ ان کا ترجمہ ممکن نہیں ہے۔ انھیں اس طرح الگ الگ حروف کی شکل میں پڑھا جاتا ہے۔ یہ حروف مقطعات قرآن کریم کی ۲۸ر سوروں کی ابتداء میں وارد ہوئے ہیں۔ جن حروف سے مل کر یہ حروف مقطعات بنے ہیں ان کی مجموعی تعداد ۱۴ر ہے، یہ حروف ہیں: ا، ل، م، ص، ر، ک، ح، ی، ع، ط، س، ھ اور ق۔ ان میں سے حروف ق ~ کسی سورہ کی ابتداء میں اکیلے صرف ایک مرتبہ آیا ہے جب کہ دوسرے حروف دو یا زیادہ مجموعوں میں مختلف سوروں کی ابتداء میں وارد ہوئے ہیں۔ اکیلے ا، ل، م ہی ۶ر سوروں یعنی اس سورہ کے علاوہ ۳، ۲۹، ۳۰، ۳۱ اور ۳۲ ویں سورہ کی شروعات میں آیا ہے۔

ان حروف مقطعات کے بارے میں مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے مگر اس میں سے اکثر کی حیثیت تخمینے اور اندازے سے زیادہ نہیں ہے۔ ہمیں ان حروف کو غیبی اور عرفانی اشارات ہی سمجھنا چاہئے جن کے معنی ان حروف کو نازل کرنے والے خدا اور وحی الٰہی کے سرچشموں سے سیراب ہونے والے **راسخون فی العلم** کے سوا کسی پر ظاہر نہیں ہیں۔

اس سلسلے میں مولانا مودودی کی رائے یہ ہے کہ نزول قرآن کے زمانے میں عربی شعراء اور خطیب اس طرح کے حروف اپنے اپنے کلام میں عمومی طور پر استعمال کرتے تھے اور یہ اس زمانے کا ایک معروف طریقہ تھا۔ عرب ادباء اور عوام ان حروف مقطعات کے معنی اور مفاہیم سے بخوبی واقف تھے اور یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں رسولؐ کے کسی صحابی نے ان حروف کے سلسلے میں کسی شک وشبہ یا اعتراض کا اظہار نہیں کیا اور نہ کسی صحابی رسولؐ نے آنحضرتؐ سے ان حروف کے معنی دریافت کئے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس زمانے کے عربوں کے نزدیک یہ حروف کسی معمہ کی حیثیت نہ رکھتے تھے، پھر ہوا یہ کہ زمانے اور زبان کی تبدیلی کے ساتھ یہ حروف عربی ادب میں متروک ہوتے چلے گئے اور اب لوگوں کے لئے ان کے معنی کا تعین کرنا مشکل ہو گیا۔ ان ابتدائی علاماتی حروف کو سمجھنا ہمارے امکان کے باہر ہے۔ اس لئے ہمیں اس کی سعی لاحاصل بھی نہیں کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ قرآن انسانوں کے لئے کتاب ہدایت ہے اور قرآن سے سچی ہدایت حاصل کرنا حروف کی اس گتھی سلجھانے پر منحصر نہیں ہے۔ اس طرح ایک عام قاری کو اس مسئلے میں زیادہ غور وفکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بحر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ علامتی اور عرفانی حروف لطف الٰہی کے سرچشمے اور علوم الٰہیہ کے خزانے ہیں۔ ان کے حقیقی معنی انوار باطنی کے ذریعہ ہی ہم پر منکشف ہو سکتے ہیں اسی لئے صوفیائے کرام اور عرفاء نے ان حروف کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے اور اسلامی دعاؤں میں لطف ورحمت الٰہی کے وسیلے کے طور پر ان حروف کی بہت تکرار ملتی ہے۔

آیت ۲ : ۲

قرآن میں شک وشبہہ کی گنجائش نہیں۔

''یہ کتاب، جس میں شک وشبہہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، متقین کے لئے ہدایت ہے۔''

قرآن کی ماہیت:

اس آیۂ کریمہ میں قرآن کو ''الکتاب'' کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآنی اصطلاحات کے مطابق ''کتاب'' یا اس کی جمع ''کتب'' صحیفہ یا مکتوب وحی کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ اس طرح اس لفظ کا استعمال ابتداء ہی میں کر کے یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ قرآن از روز اول ایک کتاب ہے کوئی زبانی تعلیم نہیں۔ جب کہ دوسرے مذاہب کی مقدس کتابیں درحقیقت زبانی تعلیمات ہیں جنہیں بعد میں کتابی شکل عطا کی گئی۔ قرآن حکیم کا مختلف مذاہب کے صحیفوں پر یہ بھی ایک امتیاز ہے کہ یہ اپنی ابتداء سے ایک مکتوب صحیفہ ہے جسے کتاب ہی کی شکل میں نازل کیا گیا ہے۔ دوسرے مذاہب کے صحیفے عمومی طور پر مختلف ادوار میں جمع کئے گئے مختلف اقوال ہیں جنہیں بعد میں ایک کتابی شکل میں مرتب کیا گیا۔

قرآن ایک کتاب نہیں بلکہ ''الکتاب''، یعنی کامل ترین کتاب تمام کتابوں میں صرف قرآن ہی وہ عظیم کتاب ہے جو اپنے تمام پہلوؤں میں مکمل ہے۔ اس کتاب مطلق کے بعد کسی اور وحی کی روز قیامت تک کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔ یہ زندگی کے تمام اہم معاملات میں ضروری ہدایات فراہم کرتی ہے۔ اس کی ہمہ گیر ہدایتوں سے انسانی حیات کا ہر گوشہ روشن ومنور ہے۔ اس کی تعلیمات پر عمل کر کے ہی انسان اپنے خالق نیز دوسرے انسانوں سے اپنے تعلقات استوار کرسکتا ہے۔

قرآن کوئی معمولی کتاب نہیں ہے۔ ''ذالک'' ایک ایسی ضمیر ہے جو بلندی کے لئے بھی بولی جاتی ہے۔ قرآن کو ''ذالک الکتاب''، یعنی ''وہ کتاب'' اس لئے کہا گیا ہے تا کہ اس کی اعلیٰ ترین منزلت وعظمت کا اظہار ہو۔ اس کتاب کی عظمت وبزرگی نے اسے ''وہ'' بلندی عطا کی ہے جس کی وجہ سے اسے ''وہ کتاب'' کہا گیا ہے۔ تمام الہامی کتابوں میں سب سے بعد میں نازل ہونے والی یہ کتاب دنیا کی تاریخ میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ ہزاروں لوگ اس کو از اول تا آخر حفظ کرتے اور اپنے قلوب کو منور کرتے ہیں۔

مستند وحی الٰہی:

'ریب' کے معنی شک کے ہیں اور اسے ''باطل'' کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس آیۂ مبارکہ کے جملے ''اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' کے دو معنی نکلتے ہیں۔ اولاً یہ کہ قرآن بلا شک کلام الٰہی ہے۔ قرآن پہلے مرحلے ہی میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ من جانب اللہ ہے۔ تاریخی اعتبار سے بھی یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ تمام مذہبی صحیفوں میں صرف قرآن ہی اپنی اصلی شکل میں باقی ہے بقیہ ساری کتابیں جیسے وید، اوپنیشد، انجیل، توریت، زبور یا آویستا یا تو امتدادِ زمانہ سے تلف ہوگئیں یا تحریفات کا شکار ہو کر غیر مستند ہو چکی ہیں۔ ان

تحریفات کا اعتراف خود اس کتاب کے ماننے والے بھی کرتے ہیں۔ جہاں تک قرآن کا سوال ہے تو اس کے سلسلے میں وہ لوگ بھی جو اسے کتاب الٰہی ماننے پر تیار نہیں ہیں یہی رائے رکھتے ہیں کہ بعینہ وہی کتاب ہے جسے پیغمبر محمدؐ نے اپنی امت کے حوالے کیا تھا اور اس میں آج تک کوئی ترمیم یا تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اس جملے کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ قرآنی تعلیمات کے بے عیب ہونے میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان کی ہدایت کے لئے جو نظام زندگی قرآن پیش کر رہا ہے حقیقتاً وہی نظام انسانیت کے لئے مفید ترین اور مستند ہے۔

قرآن کتاب ہدایت:

اب یہ آیت نزول قرآن کی اصل غرض وغایت کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔ قرآن کریم نہ تو تاریخ کی کتاب ہے اور نہ ہی قصص انبیاء کی۔ یہ نہ تو عقائد کی کتاب ہے اور نہ ہی قانون کی۔ یہ بنیادی طور پر نہ تو سائنس کی کتاب ہے اور نہ کوئی شاہکار ادب یہ نہ تو مجموعۂ مراسم ہے اور نہ ہی روایات کا ذخیرہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن میں مذکورہ بالا تمام باتیں پائی جاتی ہیں مگر ان تمام چیزوں کی حیثیت قرآن کے تعلق سے ضمنی اور ثانوی ہے نہ کہ حقیقی۔ بنیادی طور پر قرآن ایک کتاب ہدایت ہے۔ یہ انسانی حیات کے مختلف زاویوں یعنی جسمانی، روحانی، ذاتی، اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی مسائل کے تمام مراحل کے لئے مکمل ہدایت ہے۔ یہ کتاب انسان کو صراط مستقیم یعنی سچے راستے کی جانب ہدایت کرتی ہے، اور یہ صراط مستقیم عبارت ہے صحت عقائد اور صحت اعمال سے۔ یہ کتاب اہل عرب کے درمیان ایک شاہکار ادب کی شکل میں نازل ہوئی تھی بلکہ اس کے نزول کا اولین مقصد کاروان انسانیت کو اس کی منزل مقصود کی نشاندہی کرنا تھا۔ ہدایت کے تین مراحل ہیں۔ صحیح راستہ دکھانا، اس کی جانب رہنمائی کرنا، انسان کو منزل مقصود تک پہنچا دینا۔ اللہ کی ہدایت انسان کو رشد وکمال کی منزلیں طے کرنے میں مدد کرتی ہے اور یہ روحانی ارتقاء وپیش رفت موت آجانے کے بعد بھی نہیں رکتی بلکہ آخرت میں بھی جاری وساری رہتی ہے۔

سورۂ فاتحہ میں چونکہ بندۂ مومن اپنے رب کی بارگاہ میں صراط مستقیم کی جانب ہدایت کرنے کی دعا کرتا ہے اس لئے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتوں میں ہی اس دعا کے جواب میں خالق اس ہدایت کو پیش کرتا ہے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں کہا جائے تو یہ کتاب جو اللہ کی جانب سے کتاب ہدایت بنائی گئی ہے۔ سورۂ حمد کی دعا کی قبولیت کے نتیجے میں ہمارے سامنے ہے۔

قرآنی ہدایت اور تقویٰ کا مفہوم:

قرآن کا یہ اعلان ہے کہ یہ متقین کے لئے ایک ہدایت ہے، یعنی ان حضرات کے لئے جن میں تقویٰ کی صفت پائی جاتی ہے۔

اسلامی طرز فکر کے مطابق خالق کائنات نے

انسان کو ذوجنبین قرار دیا یعنی وہ اپنی ایک ذات میں حیوانی اور انسانی وجود ایک ساتھ رکھتا ہے۔ اس کی زندگی کے دو محور ہیں ایک حیوانیت اور دوسرے انسانیت۔ مذہب کا بنیادی کام یہ ہے کہ وہ انسان کو حیوانیت کی سطح سے بلند کر کے اعلیٰ انسانی اقدار تک پہنچا دے۔ مگر انسان کے لئے دوبارہ حیوانیت میں گرنے کا خطرہ ہر وقت لاحق رہے گا۔ ''تقویٰ'' اس صفت کا نام ہے جو انسان کو حیوانیت کی تاریکیوں میں گرنے سے بچائے رکھتی ہے۔ اور بلند ترین انسانی صفات تک رسائی حاصل کرنے میں اس کے لئے مددگار ثابت ہوتی ہے۔ تقویٰ یعنی خوف خدا، ایسا خوف جو انسان کو گناہ اور برائی سے باز رکھے۔ عربی لغت کے اعتبار سے لفظ متقین کا مادہ ''وقی'' جو حفاظت اور دور رکھنے کے معنی دیتا ہے۔ اس طرح سے متقی وہ انسان کہلائے گا جو ہر وقت گناہوں اور قبیح اعمال سے اپنے نفس کی حفاظت کرے۔ یوں تو سرسری طور پر ہمیشہ تقویٰ کا ترجمہ خوف خدا ہی کیا جاتا ہے مگر ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ خوف ایک منفی صفت ہے جب کہ تقویٰ نام ہے ایک مثبت فکر و عمل کا۔ تقویٰ اس درخت کا نام ہے جس پر نیک اعمال کی پاکیزگی کے پھل آتے ہیں۔ اسی وجہ سے کچھ مفکرین نے متقی کا ترجمہ پاک خصلت، خوف الٰہی رکھنے والا، پرہیزگار وغیرہ کیا ہے۔

اوپر دی گئی تمام صفات لفظ تقویٰ میں شامل ہیں۔ یہ مومن کی ایک ایسی سپر ہے جو فطری طور پر اسے ہر رجس و گناہ سے بچاتی ہے، دوسری جانب یہ مشیت الٰہی کے راستے پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب بھی دیتی ہے۔ متقین اللہ کے وہ نیک بندے ہیں جن کی زندگی کا محور ذات خدا ہے، اور جو اپنے ارادے واختیار کے ساتھ اعمال صالحہ انجام دیتے ہیں۔ پورے قرآن میں دو الفاظ کی بہت زیادہ تکرار کی گئی ہے۔ اولاً ایمان اور مومنین اور ثانیاً تقویٰ اور متقین۔ ایمان یعنی توحید پر یقین، اس اعتبار سے تقویٰ قلب کی اس کیفیت کا نام ہے جس کے ذریعے انسان ہمیشہ تعلیمات اسلام اور روح توحید کے مطابق اعمال انجام دے اور ہر اس فکر یا عمل سے اپنے آپ کو آگاہانہ طور پر دور رکھے جو روح توحید کے منافی ہیں۔ ظاہر ہے کہ تقویٰ کے بسیط اور عمیق تصور کو سمجھانے کے لئے اردو زبان کے دامن میں کوئی ایک لفظ نہیں ہے جو اس مفہوم کو کما حقہ دوسرے کے ذہن تک منتقل کر سکے۔ اسی سے ہم اسلام کی انفرادیت کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں یعنی اسلام صرف مان لینے یا ایمان لے آنے کا نام نہیں ہے۔ اس کی تکمیل اس وقت تک ممکن ہی نہیں ہے جب ایمان لانے والا اپنے ایمان کا اظہار اعمال کی شکل میں نہ پیش کر دے۔ ایمان کی اہمیت اپنی جگہ پر مسلم ہے مگر یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ بندہ اپنے اخلاق وعمل سے اپنے اعمال کی تصدیق کرے اور اسی کا نام تقویٰ ہے۔

(جاری)